© rasailojaraid.com

تحریک اور جمود

سید اسعد گیلانی

تحریک اور جمود دو مخالف اور متضاد کیفیات کا نام ہے۔ انہیں یکجا تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن زوال و انحطاط ایک ایسا طلسمی عمل ہے جس میں ایسے تضادات پرورش پانے لگتے ہیں اور کسی کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ تضادِ فکر و عمل کا شکار ہے۔

دعوائے توحید پرستی کے ساتھ بہت سی دوسری پرستشیں بھی جمع ہوتی چلی جاتی ہیں، لیکن مُوحّد پھر بھی فرزندِ توحید ہی رہتا ہے۔ اتباعِ رسالت کے دعوے کے ساتھ معروف کے تقاضوں کو توڑتی ہوئی بہت سی دوسری عقیدتیں اور پیرویاں بھی جمع ہوجاتی ہیں، لیکن عشقِ رسول پھر بھی اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ قرآن کے خدا کی آخری کتاب ہونے پر ایمان کے ساتھ ساتھ غیر الٰہی قوانین کی پیروی بھی بلاکراہت ہوتی رہتی ہے، لیکن حقانیتِ قرآن کے دعوے میں بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ یہ انسانی اور اخلاقی اقدار کے انحطاط کا عمل ہوتا ہے۔ ایسی معاشرتی اور اخلاقی فضا میں قول اور فعل کا تضاد انسانی سیرت و کردار کو اس قدر ناقابلِ اعتماد بنا دیتا ہے کہ کسی دوستی، محبت، رفاقت، عہد و پیمان، اور ربط و تعلق پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا، اور نہ یہ وثوق باقی رہتا ہے کہ جو شخص آج بڑی بلند آہنگی کے ساتھ ایک مقصد کے لیے اپنے دل کی لگن کا دعویٰ کر رہا ہے کل وہ اس مقصد کی راہ مارنے سے باز رہ جائے گا۔ یہ زوالِ کردار و سیرت کی المناک صورت حال ہوتی ہے اور کسی مُصلح کے لیے ایسے حالات میں اصلاح کا کام بہت کٹھن ہوجاتا ہے۔

یہ ساری فضا زوال و انحطاط کے عمل سے بنتی ہے اور اس کی موجودگی میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد کے لیے کام کرنے والے ادارے بھی اس فضا کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جب انقلابی نعرے بے جان الفاظ بن جائیں اور انقلابی پروگرام روزمرّہ کی رسم سے زیادہ وزن نہ رکھیں تو ایسے ہی حالات میں معاشرے میں زیرِنو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دعوت کی تجدید ناگزیر ہو جاتی ہے اور فہم کو صیقل کر کے جذبہ و شوق کو جنون بنانے اور اسے نئے آہنگ سے ابھارنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

تحریک جمود کا شکار ہونے لگے تو اس کے بے شمار اسباب ہوتے ہیں۔ یوں تو گزرتا ہوا زمانہ بھی خود ایک بہت بڑا سبب ہے لیکن درحقیقت بنیادی سبب فہم دعوت کا ماند پڑ جانا ہے جس سے دعوت اپنی معنویت کھو دیتی ہے۔ دعوت کے فہم کی کمی کے بھی بے شمار اسباب ہوتے ہیں۔ مثلاً مطالعہ کی کمی، نئے آنے والوں کی کثرت اور ان کی نظریاتی تربیت کا ناکافی ہونا، بہت سے لوگوں کا صرف نعروں سے متاثر ہو کر آگے بڑھنا لیکن عمل و کردار میں خام ہونا اور تحریک کو عام سیاسی اور مذہبی گروہوں کے مانند ایک گروہ سمجھ بیٹھنا اور تحریک کے داعی گروہ کی کوتاہیاں وغیرہ۔ غرض کم فہمی اور جمود کے بے شمار وجوہ ہو سکتے ہیں اور سارے ہی وجوہ جزوی طور پر درست بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جب کوئی تحریک برپا ہوتی ہے تو اس کے پاس ایک زبردست طاقتور دعوت ہوتی ہے اور وہی اس کی حقیقی چھا جانے والی قوت ہوتی ہے جو بے سروسامانی میں بھی اس کا سب سے بڑا سامان ہوتی ہے۔ دعوت کسی تحریک کا سب سے بڑا اور سب سے طاقتور ہتھیار ہوتا ہے جو اگر استعمال ہوتا رہے تو تحریک کی پیش قدمی مسلسل اور پیہم جاری رہتی ہے اور جمود یا پسپائی کا کوئی تصور جڑ نہیں پکڑ سکتا۔

دعوت ہر دعوت اپنے اندر ایک پوشیدہ مطالبہ رکھتی ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس سے بے نیاز اور غیر متعلق نہ رہا جائے۔ داعی ایک مقصد لے کر اٹھتا ہے جو اپنے اندر اجتماعی تقاضے رکھتا ہے۔ داعی کا خطاب آخر پتھروں، درختوں اور دیواروں سے تو نہیں ہوتا جو نہ سمجھ سکتے ہوں اور نہ سمجھ کر حرکت کر سکتے ہوں۔ بلکہ اس کا خطاب گوشت پوست کے انسانوں سے ہوتا ہے جنہیں خدا نے فہم کے لیے دماغ، تاثر کے لیے قلب، اور حرکت و عمل کے لیے ہاتھ پاؤں دیے ہوتے ہیں اور جن کی موافقت سے تعاون اور مخالفت سے مزاحمت ظہور میں آتی ہے۔

جس طرح ہر زندگی کا پوشیدہ تقاضا موت ہے اور ہر موت کا پوشیدہ تقاضا قیامت ہے، اسی طرح ہر دعوت کا پوشیدہ تقاضا تعاون و رفاقت ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس طلبِ تعاون کے ساتھ ہی مخالفت و مزاحمت اسے خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ جن لوگوں کو وہ مخاطب کرتا ہے وہ دعوت کا پیغام سن کر غیر جانبدار نہیں رہ سکتے۔ انہیں داعی کی طرف یا تو دستِ تعاون بڑھانا پڑتا ہے یا دستِ تعدی۔ چنانچہ جب یہ دونوں قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماحول ہر چہار سمت سے آگے بڑھتے ہیں تو دعوت دورِ کشمکش میں داخل ہوتی ہے اور زندگی و ترقی کی مختلف منازل طے کرنے لگتی ہے۔

دعوت کی حیثیت ایک ایسی مشین کی سی ہوتی ہے جو فائدۂ عام کی خاطر شارع عام پر نصب کی جا رہی ہو۔ داعی کا کام یہ ہے کہ وہ ہر ہر شخص کو اس بات پر مطمئن کرے کہ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ اس مشین کو شارعِ عام پر نصب کیا جائے۔ وہ اس کے فوائد گن گن کر بتائے۔ اس کے نصب کیے جانے کے خلاف جتنے ممکن اعتراضات ہوں ان کو رفع کرے۔ اس جگہ سے جو پرانی تعمیر منہدم کرنا مقصود ہو اس کے انہدام کی اشد ضرورت اور اہمیت بیان کرے اور اس عمارت کی موجودگی کے نقصانات گنائے اور ہر شخص کو ذہنی طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کرے کہ خلقِ خدا کا فائدہ اسی میں ہے کہ پرانی عمارت ہٹا کر وہاں نئی مشین نصب کر دی جائے۔ دعوت کے بغیر کوئی تحریک نہیں چل سکتی اور خلقِ خدا تک دعوت پہنچانے کے فطری کام سے پہلو تہی کر کے کوئی تحریک انحطاط و زوال اور جمود سے نہیں بچ سکتی۔ جمود کو توڑنے والی صرف ہمہ پہلو ہمہ اطراف آگے بڑھنے والی دعوت ہوتی ہے اور یہی کسی تحریک کی گاڑی کا پٹرول ہوتی ہے۔

فہم دعوتِ دین جن لوگوں کے سامنے پیش ہوتی ہے وہ لوگ پہلے پہل ہمیشہ بے توجہی سے اس نئی آواز کو سن کر گزر جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ آہستہ مختلف وجوہ سے وہ متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کبھی دعوت کا انوکھا پن اور اس کا انداز انہیں متوجہ کرتا ہے۔ کبھی داعی کی شخصیت اپنی بعض خصوصیات کے سبب توجہ کی باعث بن جاتی ہے۔ کبھی اپنے نفع اور نقصان کی باتیں سن کر خالص کاروباری وجوہ سے ان کی توجہ ادھر ہو جاتی ہے۔ کبھی اپنے پہلے عزیز اور محترم اعتقادات و نظریات پر تنقید اور محاسبہ ان میں جھنجھلاہٹ پیدا کر کے انہیں متوجہ کرتا ہے، اور کبھی بعض اہم افرادِ معاشرہ کی طرف سے تحریک کی مخالفت یا موافقت ان کی توجہ کی باعث بن جاتی ہے۔ بہرحال بتدریج لوگ متوجہ ہونے لگتے ہیں اور توجہ کے نتیجے میں انہیں دعوت اور داعی دونوں کو سمجھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ پھر جس نیت سے انہوں نے توجہ کی ہوتی ہے اسی نیت کے موافق انہیں ماحول اور اسباب فراہم ہو جاتے ہیں۔ اگر ان پر جھنجھلاہٹ طاری ہے اور انہوں نے مخالفت کے نقطۂ نظر سے توجہ کی ہے تو سمجھنے کے لیے انہیں عموماً ایسے ہی لوگوں سے مدد ملتی ہے جو پہلے ہی دعوت و داعی کی مخالفت کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر توجہ موافقانہ ہے تو اسی حلقۂ اثر کے لوگوں سے ان کا تعارف ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ لازم نہیں ہے کہ دعوت تک رسائی کے یہ مختلف راستے انہیں لازماً مختلف نتائج تک ہی پہنچائیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ مخالف راستے سے آنے والے دعوت کے موافق، اور موافق راستے سے آنے والے دعوت کے مخالف بھی ہو جاتے ہیں - یہ بات کچھ تو صحتِ نظر، افتادِ طبع، اور زاویۂ نگاہ پر منحصر ہوتی ہے، اور کچھ دعوت کے ساتھ مزاجی موافقت پر بھی مبنی ہوتی ہے - وہ جو کہا گیا ہے کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند" تو وہ اصول یہاں بھی کام کرتا ہے - لیکن فہم دل و دماغ کے اطمینان کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے - مکّہ کے ضعفاء اور منافقین میں ایک بڑی تعداد دعوتِ اسلامی سے پوری طرح مطمئن تھی لیکن ان کے ہاتھ پاؤں اس دعوت کے ساتھ نہ چلتے تھے - مدینہ کے منافقین میں بھی بہت سی اقسام ایسی تھیں جو دعوتِ اسلامی کو ذہنی طور پر دُرست اور برحق سمجھنے کے باوجود منافقانہ سرگرمیوں میں منہمک رہتی تھیں - یہود کے بارے میں تو قرآن تک نے فتویٰ دے دیا کہ وہ حضورؐ کو یوں پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو شناخت کرتے تھے - انہیں حضورؐ کی نبوت و رسالت کے بارے میں سرِمُو برابر بھی شبہہ نہ تھا - یعنی فہمِ دعوت ان کو پوری طرح حاصل تھا -

حقیقتاً فہم اپنی جگہ کوئی ٹھوس اور مُثبت شے نہیں ہے، عمل اسے مُثبت بناتا ہے - اور اگر یہ کوئی مُثبت چیز ہے تو پھر یہ بھی لازمی نہیں کہ اس کے نتائج بھی مُثبت ہی ہوں - اس کی مثال پھر وہی ہے کہ جب ایک شخص کسی شارع عام پر افادۂ عام کی خاطر کوئی مشین نصب کرنا چاہے تو جو لوگ اس کے مقصد کو سمجھ لیں، اس مشین کی ترکیب، اس کی ہیئت اور میکانزم کو جان لیں، اس کے فوائد پر مطمئن ہو جائیں اور ذہنی طور پر انہیں وہاں اس مشین کے نصب کیے جانے پر کوئی اعتراض نہ رہے، تو گویا انہیں دعوت کا فہم حاصل ہو گیا - لیکن محض فہم کسی کام نہیں آتا جب تک تعاون و رفاقت کا گہرا جذبہ بھی دل میں موجزن نہ ہو اور وہ آگے بڑھ کر اسے نصب کرنے میں مدد دینے پر تیار نہ ہو جائیں - مدد کے لیے تیار ہو جانا اور عمل کے میدان میں اپنا وقت، قوت اور صلاحیت لے کر آگے بڑھنا ہی وہ حرکت ہے جہاں سے جمود ٹوٹتا ہے اور تحریک شروع ہوتی ہے - البتہ فرد کی تحریک اور اجتماع کی تحریک میں فرق ہے - اجتماع کی تحریک تب وجود میں آتی ہے جب فہم حاصل کرنے والے سارے افراد حرکت میں آ جائیں -

جذبہ

فہم کے بعد اس کے نتیجہ میں ایک جذبہ اُبھرتا ہے - فہم اگر ذہن کے اطمینان کا نام ہے تو جذبہ دل کے اطمینان کا نام ہے - اور دل چونکہ حرکت و قلب کا منبع ہے اس لیے تعاون کی تحریک حقیقتاً یہیں سے شروع ہوتی ہے - یہی وجہ ہے کہ ہر دعوت میں داعی کی طرف سے مخاطبین کے فہم کو مطمئن کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جذبے کو اُبھارنے کا سامان بھی ہوتا ہے، اور اگر کوئی فلسفیانہ قسم کی دعوت جذبہ انگیزی سے خالی ہو اور خشک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفاظ کا جادو ہی جگائے اور اس کے پیچھے انسانی جذبات کو برانگیختہ کر کے حرکت میں لانے کی قوت نہ ہو تو اسے زیادہ معاونین میسر نہیں آتے اور نہ اُس کا معاشرے میں زیادہ گرم جوشی سے استقبال کیا جاتا ہے۔ قرآن کا انداز بیان بھی اپنی جگہ موضوعِ بیان کے برابر اہمیت رکھتا ہے۔ بلکہ قرآن کو تو اس بات کا دعویٰ ہے کہ کوئی اس جیسا انداز بیان لا نہیں سکتا اور یہ دعویٰ تا قیامت قائم اور لاجواب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے سردارانِ قریش حضوؐر کے پاس جا کر بات چیت کرتے ہوئے گھبراتے تھے کہ کہیں تاثیرِ کلام سے وہ خود متاثر نہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ دوسروں کو بھی حضوؐر کے پاس جانے سے روکتے تھے کہ وہ تاثیرِ کلام اور حضوؐر کی شخصیت سے متاثر نہ ہو جائیں۔ حد یہ ہے کہ اس تاثیرِ کلام اور اثر انگیزی کا نام انہوں نے بے عقلی یا شرارت سے جادوگری اور ساحری تک رکھ چھوڑا تھا۔ آج اگر حضوؐر کے ارشادات کے مجموعے احادیث کی شکل میں اُٹھا کر دیکھیں تو وہاں ایسے ایسے الفاظ، جملے اور ادبی جواہر پارے ملتے ہیں کہ آدمی کا دل پہلو میں بار بار تڑپ اُٹھتا ہے اور زبان سبحان اللہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور تاثر کے سبب بار بار رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ بہترین ادبی اور فکری جواہر پارے کسی ایسے انسان کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں جو حرفوں کی دنیا سے عملاً آشنا نہ تھا۔ دعوت کی حیثیت اگر مشین کی ہے اور فہم اگر اس کی افادیت اور اس کی ہیئت اور ترکیب کا شعور دلاتا ہے تو جذبہ اس کے پرزوں اور پہیوں کو حرکت میں لانے والی برقی رَو ہے جس کے بغیر مشین کام نہیں کر سکتی، نہ چل سکتی ہے، نہ نتائج دے سکتی ہے اور نہ مقصود حاصل کر سکتی ہے۔ دعوت اگر گاڑی ہے اور فہم سمتِ منزل کا تعین ہے تو جذبہ اس گاڑی کی قوتِ محرکہ ہے جس کے ذریعے کارواں منزل کی طرف جادہ پیماں ہوتا ہے اور اس جذبے کے قائم رہنے سے اس سمتِ منزل میں اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

کسی داعی کو اپنی دعوت پیش کرنے کے لیے اُبھارنے اُکسانے یا ترغیب دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ جب اپنے اندر کوئی پیغام اُبھرتا ہوا محسوس کرتا ہے تو جس طرح پھوٹنے والا بیج زمین کے سات پردے چاک کر کے بھی فضائے آزاد میں کونپل کی صورت میں نمودار ہو جاتا ہے اسی طرح داعی کے اندر اس کا پیغام اس کے جذبۂ صادق کی مدد سے از خود باہر پھوٹ نکلتا ہے۔ پھر فہم و شعور کے لیے اس کی دعوت کو غور و توجہ سے سُننے کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ دعوت تحریری صورت میں ہے تو ان تحریروں کو نہایت غور و فکر سے پڑھا جائے اور ساتھ ساتھ داعی کے کردار کو بھی دیکھا جائے اور اگر دعوت زبانی ہے تو اس کی گفتگو کو سُنا جائے۔ تحریر ہو یا تقریر، دونوں کے ذریعے داعی مخاطب کے اندر فہم و جذبہ دونوں بیک وقت اتارنے کی کوشش کرتا ہے درد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان دونوں کی مدد سے وہ مخاطب کو اپنی حمایت واعانت پر آمادہ کرتا ہے۔

فہم حاصل ہونے کے بعد عموماً کبھی کم نہیں ہوتا اور نہ ضائع ہوتا ہے۔ کسی مرحلے پر غلط فہمی ہو سکتی ہے، لیکن وہ عارضی ہوتی ہے۔ فہم و شعور تلف ہونے یا ضائع ہونے، دھندلانے یا سرد پڑنے کی چیز نہیں ہیں۔ جس طرح ایک شخص جب ایک مشین کی ہیئتِ ترکیبی اور فوائد سے آگاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس سے اس کی یہ سمجھ چھِن نہیں جاتی اور نہ اس کا یہ شعور ہی ماند پڑتا ہے۔ البتہ ایک چیز جو کسی وقت بھی مختلف اسباب سے کم و بیش ہو سکتی ہے وہ جذبہ ہے، یعنی وہ برقی رَو جو مشین کو حرکت میں لاتی ہے۔ اسی جذبے کی کمی فساد کی مختلف صورتیں پیدا کرتی ہے۔

جذبہ عمر کے تقاضوں سے بھی کم و بیش ہوتا ہے، یہ دُنیوی مصروفیات سے بھی متاثر ہوتا ہے، یہ کاروباری اغراض سے بھی اثر لیتا ہے، یہ دعوت کے مختلف مراحل میں مشکلات و مصائب کے سامنے آنے سے یا تصور سے بھی کم و بیش ہوتا ہے۔ اس پر بیوی بچے والدین دوست احباب اور مال و دولت بھی ڈاکے ڈال دیتے ہیں، حتیٰ کہ یہ داعی سے معمولی بدگمانی سے بھی کم ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ شخصی رابطہ کم ہو جانے سے بھی گھٹ جاتا ہے۔ یہ بڑی ہی نازک چیز ہے۔ جس طرح ہر وقت ایک انسان کی داخلی کیفیت یکساں نہیں رہتی اسی طرح اس جذبے کی کیفیت بھی ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ یہی وہ چیز تھی جسے صحابہ کرامؓ حضورؐ اکرم کی مجلس میں مختلف اور اپنے گھروں میں اپنے اندر مختلف پاکر تشویش محسوس کیا کرتے تھے۔

اس قیمتی متاع کو اپنے اندر قائم رکھنا ہر مسافرِ راہِ حق کا اوّلین فرض ہے۔ تلاوتِ قرآن اور مطالعہ حدیث سے انسان کی داخلی کیفیات میں جو نمایاں فرق ہوتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ صاحبِ کلام سے ذہنی اور قلبی قرب حاصل ہو جاتا ہے ورنہ شعوری طور پر تو ایک بے عمل مسلمان بھی اقرار کرتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور حضورؐ اللہ کے سچے پیغمبر تھے۔ اسی طرح دوسری تحریریں جو اس دعوت کو اجاگر کرنے والی اور اس کام کی انجام دہی کے لیے بلانے والی ہوں۔ ان کا مطالعہ اور پیہم مطالعہ بھی جذبہ انگیزی اور قوت و حرکت یعنی دل کی بیداری کے لیے اشد ضروری ہے۔ جس لٹریچر نے آپ کو ایک مقصدِ زندگی کا شعور دیا ہو، اس مقصد سے آشنا کیا ہو، اس مقصد کے لیے ایثار و قربانی پر آمادہ کیا ہو اور آپ سے بے شمار قربانیاں اللہ کی راہ میں کروائی ہوں، آپ کو ایک طویل عرصے تک خدا کی راہ میں پیہم سرگرم و متحرک رکھا ہو، آپ سے ایک نوعیت کی مصروفیات چھڑائی ہوں اور دوسری نوعیت کی مصروفیات میں لا ڈالا ہو، آپ کا حلقۂ احباب، آپ کا ذوق و شوق، آپ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لباس، آپ کا طرزِ فکر، آپ کی نشست و برخاست اور آپ کی زندگی کا تمام رُخ بدل دیا ہو کیا اسے پڑھنے اور نہ پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے ؟ کیا اس کا مطالعہ چھوٹ جانے سے کوئی کمی واقع نہ ہوگی ؟ کیا اس کی اشاعت ختم ہو جانے سے آپ کے حلقۂ اثر میں کوئی فرق نہ آئے گا ؟ اس کی کمی سے آپ کی زندگی میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی ؟ کیا اس سے رشتہ ٹوٹنے سے آپ اسی گڑھے میں عملی طور پر نہ جا گریں گے جس سے آپ کو اس نے نکالا تھا اور جس سے نکل کر آپ بہت خوش اور مطمئن تھے ؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلاب برپا کرنے کے لیے اس کی دعوت ضروری ہے اور دعوت کے لیے فہم بھی بلاشبہ اشد ضروری ہے، لیکن فہم کے باوجود جذبے کی کمی کے سبب آدمی نفاق وضعف میں مبتلا ہو سکتا ہے جس سینے میں ایثار و قربانی کا گہرا جذبہ موجود ہو وہاں اخلاص کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور یہ اخلاص تبھی حاصل ہوتا اور قائم رہتا ہے اگر آدمی دعوت کے فہم کو تازہ رکھے اور مقصد کے حصول کی سمت میں برابر اور پیہم اقدامات کرتا رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ تحریک میں جمود کے دیگر عوامل پر بھی بحث کی ضرورت ہے اور میں کوشش کروں گا کہ اس کے ضروری پہلوؤں پر آئندہ کسی مضمون میں روشنی ڈالوں۔

© rasailojaraid.com